ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

علامہ اقبال کے فکری تناظر میں روایتی اور جدید قانون سازی کا ارتقاء

THE EVOLUTION OF TRADITIONAL AND MODERN LEGISLATION IN THE INTELLECTUAL PERSPECTIVE OF ALLAMA IQBAL

Dr. Abdurrahman Khalil
Assistant Professor
Shaikh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar-KP, Pakistan
Profabdurrahman81@gmail.com
Dr Muhammad zahid
Associate Professor Islamic Studies
khyber Medical College
University of Peshawar
muhammad.zahid@kmc.edu.pk
Mujahid Hussain
Ph.D Scholar at Qurtba University DI Khan
mujahidbuzdar473@gmail.com

Abstract:

Law is the fundamental pillar of any society's civilization, intellectual structure, and social order. History bears witness to the fact that the process of legislation has always been evolutionary, undergoing continuous changes over time. In every era, there has been a dialogue between traditional legal principles and modern intellectual and practical requirements, influencing the implementation, interpretation, and evolution of legal systems in light of societal progress and human needs.In the intellectual and scholarly history of the Indian subcontinent, one prominent figure who deeply contemplated law, Ijtihad, and modern civilizational demands is the philosopher, poet of the East, and thinker of Islam—Allama Muhammad Iqbal. Iqbal's intellectual endeavors were not limited to Islamic philosophy or mysticism; rather, he had a profound impact on the practical life of Muslim societies, legal frameworks, and their reformation. While he acknowledged and appreciated the principles of traditional Islamic jurisprudence, he also believed that law could not be rendered static through rigid adherence to past interpretations. To him, legislation was a dynamic and evolving process that needed to consider changing circumstances, scientific advancements, and the awakening of human consciousness.Allama Iqbal, through his writings and lectures, extensively discussed the fundamental principles of Islamic law, the necessity of Ijtihad, and the need for modern legal reforms. In his famous lectures, particularly "The Reconstruction of Religious Thought in Islam," *he explicitly stated that the Islamic legal framework is not rigid but rather continuously evolving. According to Iqbal, the adaptation of traditional legislation to modern scientific and social developments is only possible through Ijtihad.Iqbal also critically examined Western legal systems and supported adopting elements that were not in contradiction with the spirit of Islam. He envisioned modern legislation as a process that should be rooted in Islamic principles while simultaneously aligning with the progress and contemporary demands of human societies. He regarded Islamic Sharia as a dynamic force capable of addressing human challenges in every era, provided its interpretation and application were guided by reason, Ijtihad, and scientific awareness.This article will critically analyze Allama Iqbal's legal philosophy, exploring the significance of traditional and modern legislation in his thought, the applicability of his principles to contemporary legal systems, and how his ideas can be utilized to further refine and modernize the legislative processes in the Islamic world.*

Keywords: Evolution, Traditional, Modern Legislation, Intellectual, implementation, Islamic philosophy, jurisprudence

قانون کسی بھی معاشرے کی تہذیب و تمدن، اس کی فکری ساخت، اور سماجی نظم و ضبط کا بنیادی ستون ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ قانون سازی کا عمل ہمیشہ ارتقاپذیر رہا ہے، اور اس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں۔ ہر دور میں روایتی قانونی اصولوں اور جدید فکری و عملی تقاضوں کے درمیان ایک مکالمہ موجود رہا ہے، جو معاشرتی ترقی اور انسانی ضروریات کے تناظر میں قانون کے نفاذ اور اس کی تعبیر و تشریح کو متاثر کرتا رہا ہے۔ برصغیر کی علمی و فکری تاریخ میں اگر کوئی ایسی شخصیت نظر آتی ہے جس نے قانون، اجتہاد اور جدید تمدنی تقاضوں پر گہری بصیرت کے ساتھ غور و فکر کیا، تو وہ مفکرِ اسلام، شاعرِ مشرق، اور فلسفی علامہ محمد اقبال ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اقبال نے اپنی فکری کاوشوں میں محض اسلامی فلسفہ یا تصوف پر ہی بحث نہیں کی، بلکہ انہوں نے مسلم معاشروں کی عملی زندگی، قانون اور اس کی تشکیلِ نو پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ وہ ایک طرف روایتی اسلامی فقہ کے اصولوں کو سمجھنے اور انہیں برقرار رکھنے کے قائل تھے، تو دوسری طرف وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ جامد تقلید کے ذریعے قانون کو منجمد نہیں کیا جاسکتا۔ان کے نزدیک قانون سازی ایک زندہ اور متحرک عمل ہے، جس میں بدلتے حالات، سائنسی ترقی، اور انسانی شعور کی بیداری کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی تحریروں اور خطبات میں اسلامی قانون کے بنیادی اصولوں، اجتہاد کی ضرورت، اور جدید قانونی اصلاحات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کے مشہور خطبات، خاص طور پر "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام کا قانونی ڈھانچہ جامد نہیں، بلکہ وہ مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ اقبال کے مطابق، روایتی قانون سازی کو جدید سائنسی اور سماجی ترقیات کے مطابق ڈھالنے کے لیے اجتہاد ناگزیر ہے۔ اقبال نے مغربی قوانین اور ان کے ترقی پسند پہلوؤں کا بھی باریک بینی سے جائزہ لیا اور ان میں سے وہ عناصر اپنانے کی حمایت کی جو اسلامی روح کے منافی نہ ہوں۔ ان کے نزدیک جدید قانون سازی کا عمل اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ہو، مگر ساتھ ہی ساتھ انسانی سماج کی ترقی اور جدید تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو۔ وہ اسلامی شریعت کو ایک ایسی متحرک قوت تصور کرتے تھے جو ہر دور میں انسانوں کے مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے، بشرطیکہ اس کی تعبیر و تشریح میں عقل، اجتہاد، اور سائنسی شعور کو بروئے کار لایا جائے۔ یہ مقالہ اسی فکری تناظر میں علامہ اقبال کے نظریات کا تفصیلی جائزہ لے گا، تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ ان کی فکر میں روایتی اور جدید قانون سازی کی کیا حیثیت ہے، ان کے پیش کردہ اصول آج کے جدید قانونی نظاموں کے لیے کس حد تک قابلِ عمل ہیں، اور کس طرح ان کے افکار سے استفادہ کر کے اسلامی دنیا میں قانون سازی کے عمل کو مزید منظم اور ترقی یافتہ بنایا جا سکتا ہے۔

اسلام دنیا کا قدیم ترین اور جدید ترین مذہب ہے اس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کی آمد سے ہوئی اور قیام قیامت نظام تمدن کی حیثیت سے قائم ودائم رہے گا، انسانی زندگی کے ہر شعبے کی تکمیل کیلئے اسلام مکمل رہنمائی کرتا ہے، عصر حاضر کے جدید ترین مسائل کا حل قرآن مجید اور سنت رسول کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، روایتی اور جدید قانون سازی کا عمل ہر دور میں جاری رہا ہے، کہیں تقلید اور کہیں اجتہاد کے ذریعے اسلام نے ادیان عالم میں اپنی حیثیت کو منوایا ہے، انسانی زندگی کو منور کیا ہے، لہذا اسلام کے اندر قانون سازی کا قدیم اور جدید ہر دور میں رہنمائی کا سرمایہ موجود ہے، انسان اپنی سہولت کیلئے ان احکامات اسلامیہ کو مختلف نام دیتا ہے۔

روایتی قانون سازی: تاریخی جائزہ:

اسلامی قانون سازی کی بنیاد چار بنیادی اصولوں پر ہے: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ ان اصولوں کی روشنی میں فقہ اسلامی کی تشکیل اور تدوین کا آغاز ابتدائی اسلامی دور ہی سے ہوا، جب نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی مختلف قانونی مسائل کے جوابات قرآن اور وحی کی روشنی میں دیے جاتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی براہ راست رہنمائی میں معاملات طے کرتے تھے، اور اگر کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا تو نبی اکرم ﷺ بذریعہ وحی یا اجتہاد اس کا حل بیان فرما دیتے۔ چنانچہ ابتدائی اسلامی قانون کے بنیادی اصول خود نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں واضح ہو چکے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوا اور مسلمانوں کو نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، تو ان کے حل کے لیے شریعت کے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کا عمل شروع ہوا۔ خلافت راشدہ کے دوران، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہی مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قانونی معاملات زیادہ تر قرآن و سنت کے واضح احکام کی بنیاد پر طے کیے جاتے تھے۔ تاہم، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی قانون سازی کو مزید وسعت دی گئی، اور اجتہادی فیصلے کیے گئے جن میں اجتماعی مصلحت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلوں میں اجتہاد کی عملی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے قحط سالی کے دوران چوری کی شرعی سزا کو موقوف کر دیا، کیونکہ اس وقت بھوک اور افلاس کی وجہ سے لوگ مجبور تھے۔ اسی طرح، انہوں نے مفتوحہ زمینوں کو اجتماعی فلاح کے لیے وقف کرنے کا اصول اپنایا، جبکہ بعض صحابہ کرام اس زمین کی تقسیم کے حق میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اجتہادی بصیرت کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا کہ زمین کو ریاستی ملکیت میں رکھا جائے تاکہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اس سے مستقل فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ یہ مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ابتدائی اسلامی قانون سازی میں اجتہاد کو کلیدی حیثیت حاصل تھی اور اسے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق استعمال کیا جاتا تھا۔[1]

[1] ابن قتیبہ، المعارف، دار المعارف، 1981، ص 210

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اسلامی فقہ مزید ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی۔ اس دور میں علمی مراکز قائم ہوئے جہاں قانونی مسائل پر تحقیق اور اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا۔ چوتھی صدی ہجری تک پہنچتے پہنچتے اسلامی فقہ مختلف مکاتب فکر میں منقسم ہو چکی تھی۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے عظیم فقہاء نے اسلامی قانون کی تدوین کی اور اسے ایک باضابطہ فقہی نظام کی شکل دی۔ ہر امام نے اپنے مخصوص اصولوں کی بنیاد پر فقہ کی تشریح کی اور اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل کا حل تلاش کیا۔

امام ابو حنیفہ نے عقل و قیاس کو فقہ میں نمایاں مقام دیا اور اس بنیاد پر فقہِ حنفی کا ایک مربوط نظام قائم کیا۔ امام مالک نے اہل مدینہ کے عمل کو ایک مضبوط دلیل قرار دیا اور حدیث و سنت کی روشنی میں فقہ کو مرتب کیا۔ امام شافعی نے اصولِ فقہ کی تدوین کی اور یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی بھی مسئلے کے حل کے لیے قرآن و سنت کے بعد قیاس اور اجماع کو اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ امام احمد بن حنبل نے حدیث کو بنیادی ماخذ قرار دیا اور اپنی فقہ کی تدوین میں احادیث نبویہ کو اولین حیثیت دی۔

یہ تمام فقہی مکاتب اسلامی قانون کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے رہے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد پر ایک مضبوط قانونی ڈھانچہ فراہم کرتے رہے۔ ان مکاتب فکر کے پیروکاروں نے بعد کے ادوار میں فقہی مسائل پر تفصیلی کام کیا اور اسلامی قوانین کو مزید منظم اور مرتب کیا۔ تاہم، وقت کے ساتھ ساتھ بعض وجوہات کی بنا پر اجتہاد کا دروازہ محدود ہوتا چلا گیا اور تقلید کا رجحان غالب آ گیا۔ بعض علماء نے اجتہاد کو صرف ابتدائی فقہاء تک محدود کر دیا اور نئے قانونی تشریحات کی مخالفت کی، جس کی وجہ سے اسلامی قانون میں ایک قسم کا جمود پیدا ہو گیا۔

اسلامی قانون کے ارتقاء میں اس جمود نے کئی چیلنجز پیدا کیے۔ جیسے جیسے معاشرتی اور سائنسی ترقی ہوتی گئی، ویسے ویسے اسلامی قانون کو بھی نئے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم، تقلید کے رجحان نے جدید مسائل کے حل میں رکاوٹ پیدا کی۔ اس صورت حال میں علامہ اقبال جیسے مفکرین نے اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا اور یہ واضح کیا کہ اسلامی قانون کی اصل روح حرکت اور ارتقاء میں ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک اسلامی قانون جامد نہیں بلکہ ایک متحرک اور ترقی پذیر نظام ہے، جسے ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے اجتہاد کو فروغ دینا ضروری ہے۔[2]

چنانچہ فقہ اسلامی کی تشکیل اور تدوین کا تاریخی جائزہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ابتدائی اسلامی دور میں اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنت پر تھی، اور نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کو استعمال کیا جاتا تھا۔ بعد کے ادوار میں فقہی مکاتب فکر نے اسلامی قوانین کو ایک جامع شکل دی اور ان کی تدوین کی۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تقلید کے رجحان نے اسلامی قانون کو جمود کا شکار کر دیا۔ آج کے جدید دور میں اسلامی قانون کو ایک مؤثر نظام کے طور پر برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اجتہاد کو فروغ دیا جائے، تاکہ اسلامی فقہ عصری تقاضوں کے مطابق اپنی عملی حیثیت کو برقرار رکھ سکے۔

قدیم فقہی مکاتبِ فکر اور ان کا اثر

اسلامی فقہ کی تاریخ میں چار بڑے مکاتبِ فکر نے اہم کردار ادا کیا ہے، جو امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ ان مکاتب فکر کی بنیادیں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس پر استوار تھیں، تاہم ان کے درمیان بعض اصولی اور فروعی اختلافات بھی موجود تھے۔ ہر مکتبِ فکر نے اپنے مخصوص منہج اور اصولوں کے مطابق اسلامی قانون کی تعبیر و تشریح کی، جس سے امت مسلمہ کو ایک وسیع قانونی ورثہ حاصل ہوا۔

امام ابو حنیفہ کو فقہ اسلامی میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ قیاس اور استحسان کے اصولوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور ان کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے تھا۔ انہوں نے مسائل کو محض ظاہر نصوص تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عقل و منطق کی روشنی میں بھی شرعی احکام کو ترتیب دیا۔ امام ابو حنیفہ کا موقف تھا کہ قرآن اور سنت کے بعد اگر کسی مسئلے میں وضاحت نہ ملے تو اس وقت اجتہاد اور قیاس کو استعمال کیا جانا چاہیے۔ ان کی قائم کردہ فقہ حنفی بعد میں خلافت عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر اپنائی گئی اور اس کا دائرہ کار وسیع ہوا۔ فقہ حنفی کی یہ خاصیت تھی کہ یہ اجتہاد پر زیادہ انحصار کرتی تھی، اسی لیے یہ مختلف معاشرتی حالات کے مطابق قابل انطباق رہی۔[3]

دوسری طرف امام مالک کا فقہی منہج اہل مدینہ کے تعامل اور سنت پر زیادہ انحصار کرتا تھا۔ ان کے نزدیک جو عمل اہل مدینہ میں رائج تھا، وہ ایک قوی دلیل کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ مدینہ وہ جگہ تھی جہاں نبی کریم ﷺ نے براہ راست احکام دیے تھے، اور صحابہ کرام نے ان پر عمل کیا تھا۔ امام مالک کی فقہ میں حدیث کا استعمال

---

[2] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989، ص 102

[3] ابن ندیم، الفہرست، دار المعارف، 1985، ص 240

بنیادی حیثیت رکھتا تھااور ان کی مشہور تصنیف"الموطأ" کو اسلامی قانون سازی میں ایک مستند ماخذ کی حیثیت حاصل ہوئی۔ ان کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ کھلا تھا، لیکن وہ اس میں زیادہ محتاط رویہ اختیار کرتے تھے اور قیاس کے بجائے روایت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ فقہ مالکی مغربی اسلامی دنیا، خصوصاً اندلس اور مغرب اقصیٰ میں مقبول ہوئی اور کئی اسلامی حکومتوں میں سرکاری طور پر اپنائی گئی۔[4]

امام شافعی نے فقہ اسلامی کو ایک نیا منہج فراہم کیا۔ وہ اصولِ فقہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں اور ان کی کتاب الرسالۃ اسلامی قانونی اصولوں کی اولین تحریری صورت قرار دی جاتی ہے۔ امام شافعی نے اس تصور کی وضاحت کی کہ کسی بھی قانونی فیصلے کی بنیاد چار اصولوں پر ہونی چاہیے: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ ان کے مطابق، اگر کسی معاملے میں قرآن و حدیث میں وضاحت نہ ہو تو اس وقت اجماع کو دیکھا جائے، اور اگر اجماع بھی نہ ہو تو قیاس کیا جائے۔ ان کی فقہ نے درمیانی راہ اختیار کی اور روایت و درایت کے امتزاج سے اسلامی قانون میں ایک اعتدال پسند موقف فراہم کیا۔ امام شافعی کے نظریات نے اسلامی فقہ میں ایک منظم اصولی ڈھانچہ فراہم کیا، جو آج بھی اسلامی قانون کی بنیاد ہے۔[5]

امام احمد بن حنبل کا فقہی منہج زیادہ تر حدیث پر مبنی تھا۔ وہ قیاس کو کم سے کم استعمال کرتے تھے اور ان کے نزدیک حدیث کو اولین ماخذ کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کی فقہ میں اجتہاد کی گنجائش موجود تھی، مگر وہ زیادہ تر نصوص پر انحصار کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کا فقہ حنبلی آج بھی خاص طور پر جزیرہ عرب میں رائج ہے اور اس کی سختی کے باعث اسے بعض اوقات روایتی فقہ کا ایک سخت گیر مکتب سمجھا جاتا ہے۔ تاہم، امام احمد کا نظریہ یہ تھا کہ دین کو بنیادی ماخذ یعنی قرآن و حدیث تک محدود رکھا جائے اور عقل و قیاس کو کم سے کم استعمال کیا جائے۔ ان کا یہ نظریہ بعد میں اہلِ حدیث مکتب فکر کی بنیاد بھی بنا۔[6]

یہ چاروں مکاتب فکر اسلامی قانون کی ترقی میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور اسلامی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر گہرے اثرات مرتب کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ ہر مکتبِ فکر کا اپنا ایک منفرد منہج اور طریقہ کار تھا، لیکن ان سب کی مشترکہ بنیاد قرآن و سنت پر تھی۔ ان مکاتب کے درمیان فقہی اختلافات کے باوجود، ان کے اصولی ڈھانچے نے اسلامی معاشرت کو ایک مضبوط قانونی اور اخلاقی نظام فراہم کیا۔ تاہم، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ان فقہی مکاتب میں اجتہاد کی گنجائش کم ہوتی گئی اور تقلید کا رجحان بڑھنے لگا۔ ابتدا میں فقہاء مسائل کے حل کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد کرتے تھے، لیکن بعد کے ادوار میں اجتہاد کی یہ روایت محدود ہو گئی اور بعض مکاتب فکر میں صرف ان کے بانی اماموں کی آراء کو ہی حرفِ آخر سمجھا جانے لگا۔

یہ جمود اس وجہ سے پیدا ہوا کہ کئی علماء نے یہ نظریہ اپنایا کہ فقہ کے بنیادی مسائل پہلے ہی طے کیے جا چکے ہیں اور نئے اجتہاد کی ضرورت نہیں رہی۔ اس رجحان نے اسلامی فقہ میں ایک قسم کی جمود پیدا کر دی، جس کی وجہ سے بعض مکاتب فکر میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور تقلید کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ اس کے برعکس، بعض علماء اور مفکرین، جیسے کہ امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، نے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیا اور اسلامی فقہ کو نئے مسائل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔

یہ فقہی مکاتب فکر آج بھی اسلامی قانون کا ایک اہم حصہ ہیں، اور ان کے اصول آج بھی اسلامی دنیا میں نافذ کیے جا رہے ہیں۔ تاہم، جدید دور میں ان مکاتب فکر کے درمیان اجتہاد کی روایت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی قانون کو عصرِ حاضر کے مسائل کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ علامہ اقبال جیسے مفکرین نے بھی اس بات پر زور دیا کہ اجتہاد اسلامی فکر کا بنیادی جزو ہے اور اسے ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔ ان کے مطابق، اسلامی قانون ایک متحرک نظام ہے جو ہر دور کی ضروریات کے مطابق ترقی پذیر رہتا ہے۔[7]

اس طرح، قدیم فقہی مکاتب فکر نے اسلامی معاشرت میں گہرے اثرات مرتب کیے، اور ان کی بنیاد پر اسلامی قوانین کو ایک منظم شکل دی گئی۔ اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اجتہاد کی روایت کمزور ہوئی، لیکن ان کے اصول آج بھی اسلامی قانون کے بنیادی خدوخال فراہم کرتے ہیں۔ جدید دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مکاتب فکر کے اجتہادی اصولوں کو از سرِ نو زندہ کیا جائے تاکہ اسلامی قانون کو درپیش نئے چیلنجز کا بہتر انداز میں سامنا کیا جا سکے۔

جدید قانون سازی اور اس کے عوامل

---

[4] مالک بن انس، الموطأ، دار القلم، 1992، ص87

[5] شافعی، الرسالۃ، دار المعارف، 1979، ص134

[6] ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، دار الفکر، 2005، ص250

[7] اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989، ص115

اسلامی قانون کا ارتقاء ایک مسلسل عمل ہے جو مختلف ادوار میں مختلف عوامل کے زیر اثر رہا ہے۔ نوآبادیاتی دور میں مسلم دنیا کو ایک ایسے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، جس نے اسلامی قانون کے بنیادی ڈھانچے کو متاثر کیا۔ جب یورپی استعماری قوتوں نے مسلم ممالک پر قبضہ کیا تو انہوں نے اپنے قانونی نظام کو نافذ کرتے ہوئے اسلامی قوانین کو محدود کر دیا۔ اس دوران مغربی طرز کی عدالتیں قائم کی گئیں، جنہوں نے اسلامی فقہ کے بجائے مغربی قوانین کے تحت فیصلے صادر کرنا شروع کیے۔ اس کے نتیجے میں اسلامی قانون سازی کی حیثیت کمزور ہوئی اور اجتہاد کا دروازہ مزید محدود ہو گیا۔ برصغیر میں برطانوی راج نے انگریزی قانون کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے اسلامی قوانین کو صرف خاندانی امور تک محدود کر دیا، جس سے اسلامی فقہ کا دائرہ کار سکڑ کر نجی زندگی تک رہ گیا۔[8]

استعماری تسلط کے تحت آنے والے دیگر مسلم ممالک میں بھی ایسی ہی صورت حال دیکھنے میں آئی۔ مصر میں فرانسیسی قوانین، الجزائر میں فرانسیسی عدالتی نظام، انڈونیشیا میں ڈچ قوانین، اور سلطنت عثمانیہ میں جدید ترک اصلاحات نے اسلامی قانون کی اصل روح کو متاثر کیا۔ سلطنت عثمانیہ میں 19 ویں صدی میں *مجلۃ الاحکام العدلیہ* مرتب کی گئی، جو اسلامی فقہ کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی، لیکن اس میں مغربی قانونی اصولوں کو بھی مد نظر رکھا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم دنیا میں قانونی اصلاحات کا آغاز اسی وقت ہو چکا تھا، مگر استعماری قوتوں کی وجہ سے اسلامی قانون کی اصل حیثیت کمزور ہو گئی۔[9]

جب مسلم ممالک کو آزادی ملی تو ان کے سامنے ایک بڑا سوال یہ تھا کہ آیا وہ اپنے قانونی نظام کو مکمل طور پر اسلامی بنیادوں پر استوار کریں یا مغربی قانونی اصولوں کو برقرار رکھیں۔ کچھ ممالک جیسے سعودی عرب اور ایران نے اسلامی قوانین کو اپنے نظام کا بنیادی حصہ بنایا، جبکہ ترکی، مصر اور پاکستان جیسے ممالک میں قانونی اصلاحات کی کوششیں کی گئیں، جہاں اسلامی اصولوں اور مغربی قوانین کو یکجا کرنے کا رجحان غالب رہا۔ پاکستان میں 1973 کے آئین میں اسلامی دفعات شامل کی گئیں، اور اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی تاکہ ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ تاہم، عملی طور پر ان اصلاحات کا نفاذ مختلف چیلنجز کا شکار رہا اور مغربی قوانین کی موجودگی کی وجہ سے اسلامی قانون کا مکمل اطلاق ممکن نہ ہو سکا۔[10]

علامہ اقبال نے اسلامی قانون میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اسلام ایک متحرک اور ترقی پذیر مذہب ہے، جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین میں اجتہادی تبدیلی کی اجازت دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے خطبات میں یہ واضح کیا کہ اجتہاد کا دروازہ کھولنا ضروری ہے تاکہ جدید ریاستی نظام اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ اقبال کے مطابق، "اسلامی فقہ کو جامد بنانے کے بجائے اسے ایک ایسے قانونی نظام کے طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے جو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ارتقاء پذیر ہو" (اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989، ص132)۔ ان کی رائے میں اجتہاد محض علماء کے دائرہ کار تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ریاست کو بھی ایک اجتہادی ادارے کے طور پر کام کرنا چاہیے تاکہ اسلامی قانون کو عملی طور پر نافذ کیا جا سکے۔

آج کے مسلم ممالک میں قانونی نظام زیادہ تر استعماری دور کے اثرات کا شکار ہے، اور اکثر ممالک میں اسلامی اور مغربی قوانین کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، مصر میں اسلامی قانون کے ساتھ ساتھ فرانسیسی قانونی اصولوں کو بھی اپنایا گیا ہے، جبکہ پاکستان میں حدود قوانین اور دیگر اسلامی قوانین کو ملکی آئین کا حصہ بنایا گیا، لیکن ان کا مکمل نفاذ ابھی تک ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ اسی طرح ترکی میں سیکولر قوانین کو اپنانے کے باوجود اسلامی نظریات کا اثر موجود رہا۔ ان تمام مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم دنیا میں قانون سازی کے عمل میں جدیدیت اور اسلامی اصولوں کے درمیان ایک توازن قائم کرنے کی مسلسل کوششیں جاری ہیں۔[11]

یہ کہنا بجا ہو گا کہ جدید دنیا میں اسلامی قانون کا اطلاق ایک پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔ کچھ ممالک میں اسلامی قوانین کو مکمل طور پر نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جبکہ دیگر ممالک میں مغربی قوانین کے ساتھ اسلامی قوانین کو ضم کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے تصور کے مطابق، اسلامی قوانین کو ایک جامد اصول کے بجائے ایک متحرک اور ارتقاء پذیر نظام کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، تاکہ اسلامی معاشرت جدید ریاستی تقاضوں کے مطابق پروان چڑھ سکے۔ اس کے لیے اجتہاد کو فروغ دینا ضروری ہے تاکہ اسلامی قانون سازی میں موجودہ چیلنجز کا حل تلاش کیا جا سکے اور جدید مسلم ریاستوں میں اسلامی اصولوں کے عملی نفاذ کو ممکن بنایا جا سکے۔

علامہ اقبال کا تصورِ قانون

---

[8] حسن، برصغیر میں اسلامی قانون، دار الاشاعت، 2005، ص185

[9] الضیاء، فقہ اسلامی کا ارتقاء، دار الفکر، 1995، ص240

[10] جلال، پاکستان میں اسلامی قانون، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2008، ص92

[11] القطب، اسلامی قانون کی تشکیل نو، دار الہدیٰ، 2010، ص210

علامہ اقبال اسلامی قانون کو ایک متحرک اور ارتقائی نظام تصور کرتے ہیں۔ان کے نزدیک اسلام ایک زندہ مذہب ہے جو ہر دور میں درپیش مسائل کا حل فراہم کر سکتا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھولا جائے۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی قانون جامد نہیں بلکہ مسلسل تغیر پذیر ہے، اور اگر اسے اجتہاد کے ذریعے وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا نہ جائے تو یہ اپنی افادیت کھو سکتا ہے۔اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی قانون کو جمود سے نکال کر جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ ایک عملی نظام کے طور پر مسلم معاشروں میں نافذ ہو سکے۔وہ اسلامی قانون کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ابتدائی دور میں اجتہاد کا عمل نہایت فعال تھا، لیکن بعد میں تقلید کے غلبے نے اجتہاد کے دروازے کو محدود کر دیا، جس کے نتیجے میں اسلامی فقہ جامد ہو گئی۔ان کے مطابق، اجتہاد کو بحال کیے بغیر اسلامی قانون کی نشو و نما ممکن نہیں۔[12]

اقبال کے نزدیک اجتہاد اسلامی قانون کی ترقی اور نشو و نما کے لیے نہایت ضروری ہے۔وہ اجتہاد کو صرف ایک فقہی اصول کے طور پر نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر عمل کے طور پر دیکھتے ہیں، جو اسلامی شریعت کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق قابلِ عمل بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔ان کے مطابق، اسلامی تاریخ میں اجتہاد ہمیشہ ایک بنیادی عنصر رہا ہے، اور اگر مسلم امت نے اجتہاد کو جاری رکھا ہوتا تو آج اسلامی قانون زیادہ مضبوط اور قابلِ عمل ہوتا۔وہ اجتہاد کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ محض ماضی کی قانونی تشریحات کو دہرانے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا اصول ہے جو اسلام کی بنیادی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی قانونی راہیں تلاش کرتا ہے۔وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اجتہاد کا عمل فردی کی بجائے اجتماعی ہونا چاہیے، اور جدید دور میں یہ کام ایک پارلیمنٹ یا اجتہادی ادارے کے ذریعے ہونا چاہیے، جو اجتماعی دانش اور جدید سائنسی، معاشی، اور سماجی علوم کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی قوانین کی تعبیر کرے۔[13]

فقہ اور شریعت کے حوالے سے اقبال کا نظریہ اس بنیادی تصور پر مبنی ہے کہ اسلام کا قانونی نظام وقت کے ساتھ ارتقاپذیر ہونا چاہیے۔ان کے مطابق، فقہ کا مقصد اسلامی معاشرت کو جمود کا شکار بنانا نہیں بلکہ اسے ترقی دینا ہے۔وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے، لیکن وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ شریعت میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے تاکہ معاشرتی تبدیلیوں کے مطابق قوانین میں بہتری لائی جا سکے۔ان کے مطابق، اسلامی قانون کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے سائنسی، سیاسی، اور سماجی ترقیات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔وہ اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ شریعت اور فقہ میں بنیادی فرق یہی ہے کہ شریعت ایک الٰہی اصول ہے، جبکہ فقہ انسانی اجتہاد کی پیداوار ہے، جو بدلتے وقت کے ساتھ تبدیل ہو سکتی ہے۔ان کے نزدیک فقہ کو جامد اصولوں تک محدود کر دینا اسلامی قانون کے حقیقی مقاصد کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام ایک متحرک دین ہے جو ہر دور کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے، بشرطیکہ اس کے قوانین میں اجتہاد کے ذریعے ضروری تبدیلیاں کی جائیں۔[14]

اقبال اجتہاد کے عمل کو اسلامی معاشروں کے لیے نہایت اہم تصور کرتے ہیں۔وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب تک اسلامی ممالک میں اجتہادی سوچ کو فروغ نہیں دیا جاتا، تب تک اسلامی قانون حقیقی معنوں میں نافذ نہیں ہو سکتا۔ان کے نزدیک اجتہاد محض فقہی مسائل کے حل تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسے ریاستی سطح پر بھی بروئے کار لانا چاہیے۔وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جدید دور میں اجتہاد صرف علماء تک محدود نہیں رہنا چاہیے، بلکہ جدید تعلیمی و سائنسی علوم کے ماہرین کو بھی اسلامی قانون کی تعبیر و تشریح میں شامل کیا جانا چاہیے۔ان کے نزدیک، اسلامی قانون کو محض ماضی کے قوانین کی تقلید تک محدود کر دینا ایک غلطی ہے، کیونکہ اسلامی قانون کی اصل روح یہی ہے کہ وہ ہر دور میں انسانی ضروریات کے مطابق خود کو ڈھالتا رہے۔وہ اسلامی قانون کو ایک "ارتقاء پذیر اصول" قرار دیتے ہیں، جو وقت اور حالات کے مطابق نئی شکل اختیار کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں اجتہاد کا عمل جاری رکھا جائے۔[15]

علامہ اقبال کا تصورِ قانون محض نظریاتی نہیں بلکہ عملی بھی ہے۔وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر مسلم ممالک نے اجتہاد کے عمل کو اپنایا ہوتا، تو آج ان کا قانونی نظام زیادہ موثر اور مستحکم ہوتا۔ان کے نزدیک، اسلامی قانون کو جدید ریاستی نظام سے ہم آہنگ کیے بغیر ترقی ممکن نہیں۔وہ اسلامی دنیا کے قانونی نظاموں کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلم ممالک میں جو مسائل درپیش ہیں، ان کا حل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اسلامی قوانین کو اجتہاد کے ذریعے جدید سائنسی، معاشی، اور

---

[12] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989، ص 132

[13] اقبال، خطبات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1930، ص 98

[14] احمد، اسلامی فکر میں اجتہاد، دار الاشاعت، 2010، ص 176

[15] ندوی، اسلام اور قانون، المکتبہ الاسلامیہ، 2005، ص 210

معاشرتی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ ان کے نزدیک، اجتہاد اسلامی قانون کو ماضی کی روایتی حدود سے نکال کر ایک جدید اور ترقی یافتہ قانونی نظام میں تبدیل کر سکتا ہے، جو نہ صرف اسلامی اقدار کی پاسداری کرے بلکہ موجودہ دور کے مسائل کا عملی حل بھی فراہم کرے۔[16]

اقبال اسلامی قانون کو ایک زندہ اور متحرک حقیقت کے طور پر دیکھتے ہیں، جسے زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرنی چاہیے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر مسلم معاشرے اجتہاد کی قوت کو بروئے کار لائیں تو وہ نہ صرف اپنے قانونی مسائل کا حل نکال سکتے ہیں بلکہ ایک جدید اسلامی ریاست بھی تشکیل دے سکتے ہیں، جو حقیقی اسلامی اصولوں پر مبنی ہو۔ ان کے مطابق، اجتہاد اسلامی تمدن کی بنیاد ہے، اور اگر اسے ترک کر دیا جائے تو اسلامی معاشرت زوال کا شکار ہو جائے گی۔ اس لیے وہ اجتہاد کے احیا کو اسلامی قانون کی ترقی اور مسلم امہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں۔

روایتی اور جدید قانون سازی کے درمیان توازن

علامہ اقبال اسلامی قانون کی تشکیل میں اجتہاد کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں اور تقلید کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک، وہی قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے جو اپنے قوانین کو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اقبال اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اسلامی تہذیب کی عظمت کا ایک بڑا سبب اس کے قانونی ڈھانچے کی وسعت اور ارتقائی صلاحیت تھی، لیکن جب اجتہاد کے دروازے بند کر دیے گئے اور تقلید کو رواج ملا تو اسلامی قانون جامد ہو گیا۔ وہ اجتہاد کو ایک زندہ اصول کے طور پر دیکھتے ہیں، جو اسلامی قوانین میں نئی جان ڈال سکتا ہے اور مسلم دنیا کو جدید چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بنا سکتا ہے۔ ان کے مطابق، تقلید کا رجحان مسلمانوں کو فکری غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے اور انہیں قانونی ارتقاء سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ اجتہاد کے بغیر اسلامی قانون کو ایک زوال پذیر نظام قرار دیتے ہیں، جو صرف ماضی پر انحصار کرتا ہے اور مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔[17]

اقبال جدید قانون سازی کے لیے فقہ اسلامی کو بنیاد بنانے پر زور دیتے ہیں لیکن وہ اس میں اجتہاد کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے مطابق، اسلامی قانون کی اصل روح یہ ہے کہ یہ وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہے اور بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے۔ وہ اس نظریے کی حمایت نہیں کرتے کہ اسلامی قانون کو ماضی کی تشریحات پر جوں کا توں برقرار رکھا جائے، بلکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جدید دنیا کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی قانون میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں، تاکہ یہ عملی طور پر نافذ کیا جا سکے۔ وہ فقہ اسلامی کی بنیاد کو محفوظ رکھتے ہوئے اس میں اجتہاد کے ذریعے نئی راہیں نکالنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے مطابق، اسلامی فقہ کے تمام مکاتب فکر نے اپنی اپنی جگہ اجتہاد کے اصولوں کو اپنایا تھا، لیکن وقت کے ساتھ یہ روایت کمزور ہوتی گئی، جس کی وجہ سے مسلم معاشرے قانونی جمود کا شکار ہو گئے۔ اقبال اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کا ایک مضبوط پس منظر موجود ہے، لیکن ان کے نزدیک اسے ایک ساکت و جامد شے نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ اسے ایک ایسا نظام ماننا چاہیے جو بدلتے وقت کے تقاضوں کے مطابق ترقی کر سکتا ہے۔[18]

اقبال کے مطابق، اسلامی قانون کی بنیاد قرآن اور حدیث پر ہونی چاہیے، لیکن اس کی تشریح و تعبیر کو جدید علمی معیارات پر پرکھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی عملی افادیت برقرار رہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی قانون کو محض روایتی تشریحات کی روشنی میں نافذ کرنے کے بجائے، اسے ایک متحرک اصول کے طور پر لیا جانا چاہیے، جو ہر دور کے سماجی، معاشی، اور سیاسی حالات کے مطابق ترقی کرتا رہے۔ اقبال کا ماننا ہے کہ قرآن ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو ہر زمانے کے لیے ہدایت فراہم کرتی ہے، لیکن اس کی تشریح کا عمل ایک زندہ روایت ہونا چاہیے، جو انسانی عقل اور اجتماعی شعور کے مطابق مسلسل ترقی کرے۔ وہ حدیث کو بھی اسلامی قانون کے ایک بنیادی ماخذ کے طور پر قبول کرتے ہیں، لیکن اس کی تعبیر و تشریح میں اجتہاد کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق، اگر مسلم علماء اور مفکرین قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد کے اصول کو اپنائیں تو وہ جدید دور کے پیچیدہ قانونی مسائل کا حل نکال سکتے ہیں، جو اسلامی اصولوں کے مطابق بھی ہو اور عملی طور پر بھی قابل عمل ہو۔[19]

اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی قانون کی تعبیر و تشریح میں سائنسی، سماجی اور سیاسی علوم کو بھی مد نظر رکھا جانا چاہیے تاکہ اسے ایک جدید قانونی نظام کے طور پر نافذ کیا جا سکے۔ وہ اسلامی قانون کو محض ایک تاریخی ورثہ سمجھنے کے بجائے اسے ایک زندہ اصول کے طور پر دیکھتے ہیں، جو انسانی معاشروں کی ضروریات کے مطابق

[16] فاروقی، اسلامی اجتہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ، دار الکتاب العربی، 2012، ص 195

[17] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989، ص 135

[18] ندوی، اسلام اور اجتہاد، المکتبہ الاسلامیہ، 2005، ص 220

[19] (فاروقی، اسلامی قانون اور جدید دنیا، دار الکتاب العربی، 2012، ص 195

ترقی کرتا ہے۔ان کے مطابق،اسلامی قانون کی اصل طاقت اسی میں ہے کہ یہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور مسلمانوں کو درپیش مسائل کا حل پیش کر سکے۔وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اجتہاد کے بغیر اسلامی قانون اپنی عملی حیثیت کھو سکتا ہے اور محض ایک تاریخی یادگار بن کر رہ جائے گا۔اس لیے وہ مسلم دنیا کو اجتہاد کی روایت کو بحال کرنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ اسلامی قانون کو ایک فعال، متحرک اور ترقی پذیر نظام کے طور پر نافذ کیا جا سکے۔[20]

اقبال کی نظر میں روایتی اور جدید قانون سازی کے درمیان توازن قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تقلید کو ترک کیا جائے اور اجتہاد کی روشنی میں اسلامی قوانین کی تعبیر و تشریح کی جائے۔وہ یہ مانتے ہیں کہ اسلامی قانون کی بنیاد ہمیشہ قرآن و حدیث پر رہے گی، لیکن اس کی تفہیم کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔ان کے مطابق،اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ بنیادی اسلامی اصولوں کو تبدیل کیا جائے، بلکہ اس کا مقصد ان اصولوں کی ایسی تعبیر پیش کرنا ہے جو جدید سائنسی، سماجی اور سیاسی حالات سے مطابقت رکھتی ہو۔وہ مسلم مفکرین، فقہاء اور قانون دانوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلامی قانون کی تجدید میں اپنا کردار ادا کریں اور اجتہاد کے ذریعے ایک ایسا قانونی نظام تشکیل دیں جو اسلامی اقدار کی پاسداری بھی کرے اور جدید دور کے مسائل کا حل بھی پیش کرے۔[21]

اقبال کا یہ نظریہ جدید اسلامی قانون سازی کے لیے ایک راہنما اصول فراہم کرتا ہے، جس میں روایتی اسلامی فقہ کی بنیاد پر ایک ایسا نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے جو عملی طور پر بھی مؤثر ہو اور اسلامی اصولوں سے بھی ہم آہنگ ہو۔ان کے مطابق،اسلامی قانون کو جدید دنیا میں نافذ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ایک متحرک اور ارتقائی اصول کے طور پر تسلیم کیا جائے، جو بدلتے وقت کے ساتھ ترقی کرتا رہے اور مسلمانوں کی ضروریات کا عملی حل فراہم کرے۔

اسلامی قانون کی تشکیلِ نو: علامہ اقبال کی تجاویز

اسلامی قانون کی تشکیلِ نو کے حوالے سے علامہ اقبال کا نقطۂ نظر نہایت وسیع، گہرائی پر مبنی اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ان کے مطابق اسلامی فقہ ایک زندہ اور ارتقائی نظام ہے، جو وقت اور حالات کے ساتھ ترقی کرتا رہنا چاہیے۔وہ اسلامی اصولوں کو جامد یا ناقابلِ تغیر ماننے کے بجائے، انہیں ایک متحرک اور لچکدار قانونی نظام کا حصہ سمجھتے ہیں جو ہر دور میں انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اقبال کے نزدیک اسلامی قانون کو جدید دور میں قابلِ عمل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تدوین ایک ایسے طریقے سے کی جائے جو اسلامی اقدار کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو۔ان کے مطابق، اسلامی فقہ کی از سرِ نو تدوین کا مقصد محض ماضی کے قوانین کو دہرانا نہیں، بلکہ انہیں اس انداز میں مرتب کرنا ہے کہ وہ موجودہ دور کے پیچیدہ مسائل کا مؤثر حل پیش کر سکیں۔وہ جدید علمی ترقی کو بھی اسلامی فقہ کی تدوین کے عمل میں شامل کرنے کی تجویز دیتے ہیں تاکہ ایک ایسا متوازن قانونی نظام تشکیل دیا جا سکے جو دینی احکام اور عملی زندگی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔[22]

اقبال اجتہاد کو اسلامی قانون کی ترقی کے لیے ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ان کے مطابق، اجتہاد محض ایک فقہی اصطلاح نہیں بلکہ اسلامی قانون کا وہ بنیادی اصول ہے جس کے بغیر اسلامی شریعت کی عملی تطبیق ممکن نہیں۔وہ تقلید کو فکری جمود کا سبب سمجھتے ہیں اور اجتہاد کو ایسے قانونی مسائل کے حل کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں جو جدید دور میں پیدا ہو چکے ہیں اور جن کا روایتی فقہی متون میں براہِ راست کوئی ذکر نہیں ملتا۔اقبال کے مطابق، اگر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے تو اسلامی قانون جامد ہو جاتا ہے اور یہ مسلم معاشروں میں عملی طور پر غیر مؤثر ہو سکتا ہے۔وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اجتہاد ایک ایسا اصول ہے جو اسلامی قانون کو ہر دور کے مطابق ڈھالنے میں مدد دیتا ہے، اور یہی اسلامی شریعت کی بقا اور ترقی کی ضمانت ہے۔وہ اجتہاد کو محض انفرادی کوشش نہیں بلکہ ایک اجتماعی عمل قرار دیتے ہیں اور تجویز کرتے ہیں کہ اجتہاد کا فریضہ ایک منظم ادارے کے تحت انجام دیا جانا چاہیے تاکہ اس کے نتائج علمی اور عملی طور پر مستند ہوں اور امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفاد سے ہم آہنگ ہوں۔[23]

اقبال کا یہ ماننا ہے کہ امتِ مسلمہ کو اپنی قانونی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ایک ایسا جدید قانونی نظام تشکیل دینا چاہیے جو اسلامی معاشرتی اقدار کو محفوظ رکھے اور ساتھ ہی ساتھ جدید سائنسی، سماجی اور سیاسی اصولوں سے بھی استفادہ کرے۔ان کے مطابق، اسلامی قانون کی ترقی کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بنیادی اصولوں کو ترک کر دیا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اسلامی شریعت کو جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔وہ جدید مسلم ریاستوں کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ وہ

[20] احمد، اسلامی فکر میں اجتہاد، دار الاشاعت، 2010، ص176

[21] اقبال، خطبات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1930، ص102

[22] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989، ص140

[23] ندوی، اسلام اور اجتہاد، المکتبہ الاسلامیہ، 2005، ص215

اپنے قانونی نظام کی بنیاد قرآن و حدیث پر رکھیں، لیکن ساتھ ہی اجتہاد کے ذریعے ان اصولوں کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے جدید طریقے وضع کریں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی قانون کو ایک زندہ اور متحرک نظام کے طور پر نافذ کیا جائے، جو بدلتے وقت کے ساتھ ترقی کرے اور امتِ مسلمہ کو درپیش نئے چیلنجز کا مؤثر حل فراہم کر سکے۔[24]

اقبال اسلامی قانون کی تشکیلِ نو میں مسلم مفکرین اور قانون دانوں کے کردار کو بھی نہایت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے مطابق، مسلم دنیا کو ایسے علماء اور فقہاء کی ضرورت ہے جو روایتی اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتے ہوں، لیکن ساتھ ہی جدید سائنسی، فلسفیانہ اور سماجی علوم سے بھی واقف ہوں۔ وہ ایسے علماء کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو اسلامی قانون کی جدید تعبیر و تشریح کر سکیں اور اجتہاد کی روشنی میں ایسے قوانین مرتب کریں جو اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے جدید دنیا کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ وہ اسلامی قانون کی تشکیل میں مسلم عوام کی شرکت کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور ایک جمہوری اجتہادی نظام کی وکالت کرتے ہیں، جس میں مسلم دنیا کے تمام علمی، سماجی اور قانونی ماہرین کی آراء کو شامل کیا جا سکے تاکہ ایک ایسا قانونی ڈھانچہ مرتب کیا جا سکے جو اسلامی اصولوں اور جدید دنیا کے تقاضوں کے درمیان ایک متوازن راہ فراہم کرے۔[25]

اقبال کا یہ نظریہ اسلامی قانون کو ایک جمود کا شکار روایتی نظام سے نکال کر ایک متحرک، ارتقائی اور جدید قانونی ڈھانچے میں تبدیل کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ان کے مطابق، اسلامی قانون کو ایک ایسی شکل دی جانی چاہیے جو عملی طور پر نافذ کی جا سکے اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں مثبت تبدیلیاں لا سکے۔ وہ اجتہاد کو ایک مستقل عمل کے طور پر دیکھتے ہیں اور اسے اسلامی قانون کے احیاء اور تجدید کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق، اگر امتِ مسلمہ اجتہاد کے اصول کو اپنائے اور اپنے قانونی نظام کو جدید خطوط پر استوار کرے تو اسلامی قانون ایک زندہ اور متحرک حقیقت کے طور پر مسلم معاشروں میں مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے۔

اقبال کے قانونی افکار کے عملی اثرات

اقبال کے قانونی افکار کے عملی اثرات دورِ حاضر میں مسلم معاشروں، خصوصاً پاکستان میں، نہایت گہرے اور وسیع پیمانے پر محسوس کیے جاتے ہیں۔ اقبال کے نظریات محض فلسفیانہ اور تجریدی نہیں تھے، بلکہ وہ عملی سیاست، قانون سازی اور ریاستی ڈھانچے کی تشکیل میں براہِ راست اثر انداز ہوئے۔ ان کے قانونی افکار نے نہ صرف پاکستان کے آئینی اور قانونی نظام پر اثر ڈالا بلکہ دیگر مسلم ممالک کے لیے بھی ایک فکری بنیاد فراہم کی۔

پاکستان کے آئینی اور قانونی نظام میں اقبال کے افکار کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ 1949ء میں منظور ہونے والی قرار داد مقاصد، جو پاکستان کے آئندہ تمام آئینوں کا بنیادی خاکہ بنی، اقبال کے اس تصور کی عکاسی کرتی ہے کہ اسلامی اصولوں کو جدید ریاستی ڈھانچے کے مطابق نافذ کیا جائے۔ قرار داد مقاصد میں یہ واضح طور پر بیان کیا گیا کہ ریاستِ پاکستان کا نظام قرآن و سنت کی روشنی میں ترتیب دیا جائے گا، جو براہِ راست اقبال کی اجتہادی فکر کا تسلسل ہے۔[26]

اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام بھی اقبال کے قانونی افکار کی عملی تفسیر ہے۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق جانچنے اور ان میں مناسب اصلاحات تجویز کرنے کا فریضہ انجام دے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی بنیاد اس تصور پر رکھی گئی کہ اسلامی قوانین کو جامد تصور نہ کیا جائے بلکہ اجتہاد کے ذریعے انہیں عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے، جو کہ اقبال کی فکر کی بنیاد ہے۔[27]

اقبال اسلامی ریاست کو ایک متحرک اور جدید ریاست کے طور پر دیکھتے ہیں، جو قرآن و سنت کی بنیاد پر چلتی ہو، لیکن ساتھ ہی ساتھ اجتہاد کو بھی اہمیت دیتی ہو۔ وہ اسلامی قوانین کی تعبیر و تشریح کو ایک مسلسل عمل قرار دیتے ہیں جو کہ ہر دور کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے مطابق ہونا چاہیے۔ ان کے مطابق، اسلامی شریعت کی بنیاد پر قانونی اصلاحات ناگزیر ہیں تاکہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کر سکے اور انہیں عصری چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بنا سکے۔

اقبال کے مطابق، اسلامی ریاست کو نہ صرف اسلامی اصولوں کو نافذ کرنا چاہیے بلکہ جدید تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قانونی اصلاحات بھی کرنی چاہئیں۔ ان کے مطابق، ایک ایسی ریاست ہی حقیقی معنوں میں اسلامی ہو سکتی ہے جو اجتہاد کے اصول کو اپنائے اور اپنے قوانین کو بدلتے حالات کے مطابق ڈھالے۔ اقبال اس ضمن میں

---

[24] فاروقی، اسلامی قانون اور جدید دنیا، دار الکتاب العربی، 2012، ص188

[25] (احمد، اسلامی فکر میں اجتہاد، دار الاشاعت، 2010، ص180

[26] مجید، "پاکستان کا آئینی ارتقاء"، مکتبہ علمی، 2015، ص112

[27] رشید، "اسلامی قانون اور پاکستان"، دار الکتب، 2018، ص150

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ترکی میں مصطفیٰ کمال کی اصلاحات کا ذکر کرتے ہیں، جن میں اسلامی قانون کی تشکیلِ نو کے لیے اجتہاد کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ تاہم، وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں جدیدیت کا عمل اس انداز میں ہونا چاہیے کہ وہ اسلامی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔[28]

اقبال کے خیالات جدید مسلم معاشروں کے لیے ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے اجتہادی نظریات کو عملی جامہ پہنانا مسلم ممالک میں قانون سازی کے عمل کو زیادہ مؤثر بنا سکتا ہے۔ موجودہ دور میں کئی مسلم ممالک میں ایسے قانونی چیلنجز درپیش ہیں جو کہ ماضی کے فقہی متون میں براہِ راست مذکور نہیں، جیسے کہ بائیو ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت، اور جدید معاشی نظام سے متعلق مسائل۔ اقبال کے افکار کی روشنی میں، مسلم معاشرے ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے اجتہاد کو اپنا سکتے ہیں تاکہ اسلامی قانون کی بقا اور اس کی عملی افادیت برقرار رکھی جا سکے۔

اقبال کا تصورِ قانون محض ماضی کی فقہی روایت کا تسلسل نہیں، بلکہ وہ اسے ایک مسلسل ارتقائی عمل سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق، مسلم معاشروں کو نہ صرف اپنے ماضی سے جُڑے رہنا چاہیے بلکہ جدید دنیا کے بدلتے حالات کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے تاکہ اسلامی قانون ایک عملی نظام کے طور پر برقرار رہ سکے۔ ان کی اجتہادی فکر، جدید مسلم ریاستوں کے لیے ایک ایسا ماڈل پیش کرتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے قانونی ڈھانچے کو اسلامی اصولوں کے مطابق استوار کر سکتی ہیں اور ساتھ ہی عصری تقاضوں کے مطابق اس میں ارتقا بھی لا سکتی ہیں۔

لہٰذا، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے قانونی افکار نے نہ صرف پاکستان بلکہ تمام مسلم دنیا میں اسلامی قانون کی تشکیل اور ارتقا پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان کے نظریات اجتہاد کی ضرورت، قانونی اصلاحات، اور اسلامی ریاست کے عملی خاکے کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے افکار کی روشنی میں مسلم معاشرے ایک ایسا متوازن قانونی نظام تشکیل دے سکتے ہیں جو کہ روایتی اسلامی اقدار اور جدید قانونی اصولوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔

عصرِ حاضر اور اسلاف پرستی: علامہ اقبال کا نقطہ نظر

عصرِ حاضر میں اسلامی فکر اور قانون سازی کے حوالے سے اسلاف پرستی کا رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال اس رویے کے ناقد تھے اور اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے تھے تاکہ اسلامی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ ان کے مطابق اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنت پر ہونی چاہیے اور اسلاف کے اجتہادی کارناموں سے استفادہ کرتے ہوئے جدید دور کے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

اجتہاد اور قانون سازی

علامہ اقبال کے مطابق اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ کہنا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے محض ایک افسانہ ہے جس کا خیال کچھ تو اس لیے پیدا ہوا کہ اسلامی افکار فقہ ایک معین صورت اختیار کر گئے، اور کچھ اس ذہنی تساہل کے باعث کہ روحانی زوال کی حالت میں لوگ اپنے اکابر مفکرین کو بتوں کی طرح پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔[29]"

اقبال قرآن مجید کو اعلیٰ ترین ماخذ قانون مانتے ہیں اور اسلامی آئین کی بنیاد اسلامی روایات پر رکھنے کے قائل ہیں۔ ان کے مطابق اجتہاد کے ذریعے جدید مسائل کا حل تلاش کرنا ضروری ہے اور فقہائے متقدین کے ارشادات سے استفادہ کرنا اجتہاد کا لازمی حصہ ہے۔

فقہ اور جدید دور کے تقاضے

علامہ اقبال فقہ کو جامد کرنے کے خلاف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"جب ہم ان اصولوں کا جائزہ لیتے ہیں جن پر قرآن مجید نے قانون کی بنیاد رکھی ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان سے نہ تو فکرِ انسانی پر کوئی روک ٹوک قائم ہوتی ہے، اور نہ ہی وضعِ آئین و قوانین پر، بلکہ ان میں وسعت، رواداری اور گنجائش موجود ہے جو غور و فکر کو مزید تحریک دیتی ہے۔[30]"

ابن تیمیہ اور تنظیمی سختی

[28]سید، "اقبال اور اسلامی ریاست"، المکتبہ الاسلامیہ، 2010، ص98

[29]اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1930، ص120

[30]مقالات اقبال مرتب سید عبد الواحد معینی، لاہور آئینہ ادب, 1997, ص93

اقبال امام ابن تیمیہ کی فکری جرات کے معترف تھے۔ وہ کہتے ہیں:

"تیرہویں صدی اور بعد کے فقہاء میں ماضی کے ساتھ جھوٹی عقیدت کی بناء پر حد سے زیادہ تنظیم کا میلان اسلام کی داخلی روح کے منافی تھا، جس کے خلاف امام ابن تیمیہ نے زبردست ردِ عمل کا مظاہرہ کیا، اور اسلام کے انتھک مبلغین کی صنفِ اول میں جگہ پائی۔"[31]

اجتہاد کی اہمیت اور مسلمانوں کی پسماندگی

اقبال اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے مکمل ضابطہ حیات کے باوجود یورپ سے پیچھے رہ گئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر ابدی اصولوں کو اس طرح سمجھا، اور برتا جائے کہ ان سے تبدیلی کے تمام امکانات جو از روئے قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں، ختم ہو جائیں، تو یہ اصول زندگی کو، جو کہ فطرتاً حرکت و قوت ہے، جامد اور بے جان بنا دیتے ہیں۔"

قرآن مجید سے دوری اور مسلمانوں کی زبوں حالی

اقبال کے مطابق اسلامی تہذیب کے زوال کی بنیادی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"زمانہ حاضرہ کے خیالات اور سائنس کی غیر محدود پیش قدمی کے باعث یہ ضروری ہے کہ مذہب کی بنیادوں کا امتحان لیا جائے۔ جہاں تک مذہب اسلام کا تعلق ہے، اس کے مذہبی عقائد اور زمانہ حاضرہ کے فلسفیانہ اور سائنسی خیالات کی روشنی میں اس کام کو سر انجام دینے کی کوشش کی جائے۔"[32]

اسلاف پرستی اور مسلمانوں کی نئی نسل

اقبال اسلاف پرستی کی انتہا پسندی کے خلاف ہیں اور مسلمانوں کی نئی نسل کو آزادانہ اجتہادی فکر اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"افسوس ہے مسلمان مردہ ہیں، انحطاطِ ملی نے ان کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے، اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا محور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگتا ہے۔"[33]

علامہ اقبال کا نقطہ نظر اجتہاد، اسلامی قانون سازی اور جدید مسائل کے حل کے حوالے سے نہایت جامع اور وسیع المعانی ہے۔ وہ اسلاف کے احترام کے ساتھ ساتھ اجتہاد کو ہر دور کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق مسلمانوں کی ترقی کا راز اسی میں ہے کہ وہ قرآنی اصولوں کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کریں اور جامد تقلید کے بجائے تخلیقی فکر کو اپنائیں۔

معیار فتاویٰ میں جدید سوچ کی اہمیت

احکامِ اسلام کی شرح و نفاذ سے متعلق رائے دینا علمائے کرام کا منصب و مقام ہے۔ انتہائی ذمہ دارانہ کوشش اور تقویٰ کی موجودگی میں تدوینِ فتاویٰ ہونا چاہیے۔ سرسری مطالعہ اور غیر سنجیدہ رویہ اختلافِ رائے میں شدت پیدا کرتا ہے۔ معیارِ فتاویٰ کو قائم رکھنے کے لیے قدیم وجدید علوم سے واقفیت ضروری ہے۔ اجتہاد و قیاس بطور اسلامی ماخذ فقہ ہماری رہنمائی کے ذرائع ہیں جن کے ذریعے تفہیمِ فقہ میں مثبت پیش رفت ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال سنجیدگی و متانت کے ساتھ تدوینِ فقہ سے متعلق مروّجہ علوم میں مہارت کو ضروری قرار دیتے ہیں تاکہ مذہبِ اسلام بطور نظامِ تمدن امتیازی حیثیت میں ثابت ہو سکے۔ علامہ فرماتے ہیں:

"مذہب کو محض مابعد الطبیعیات بنا دینا ایک طرح سے اس کو نشہ آور بنا دینا ہے، اور اسی لیے بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ اجتہاد کی ضرورت ہے تاکہ اس زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے مذہبی قدروں کا انکشاف ہو۔"[34]

اجتہاد اور معیارِ فتاویٰ

علامہ اقبال تدوینِ فقہ میں معیارِ فتاویٰ کے طور پر اجتہاد کو لازمی قرار دیتے ہیں جس کے ذریعے باہمی نزاعات کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔ مسلک کی نمائندگی کے باوجود شدت پیدا نہیں ہوتی اور فروعی اختلاف کو کم سے کم کرنا فتاویٰ کا مقصد ہونا چاہیے تاکہ اسلامی قانون میں ارتقا جاری رہے اور نشوونما ممکن ہو سکے۔ اقبال فرماتے ہیں:

---

[31] اقبال، مقالاتِ اقبال، مجلسِ ترقیِ ادب، 1955، ص 215

[32] فکر اسلامی کی تشکیل نو پروفیسر محمد عثمان، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز, 2003, ص 187

[33] اقبال، خطوطِ اقبال، اقبال اکیڈمی، 1954، ص 75

[34] اقبال، تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ، ترجمہ نذیر نیازی، بزمِ اقبال، 2001، ص 255

"اسلامی قانون کے متفق فیہ ماخذ اعلیٰ اس سلسلے میں جو نزاعات قائم ہوئے، ان کا لحاظ رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو مذاہبِ فقہ کے مفروضہ جمود کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی بلکہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلامی قانون میں مزید ارتقا اور نشوونما کا پورا پورا امکان ہے۔"[35]

حدیث کی اہمیت اور معیارِ فتاویٰ

علامہ اقبال تدوینِ فقہ واجتہاد میں حدیث کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور محدثین کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ محدثین کی خدمات کو خاص طور پر اسلام کو مجرد غور وفکر سے نجات کی خدمت قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"بایں ہمہ یاد رکھنا چاہیے کہ سب سے بڑی خدمت جو محدثین نے شریعتِ اسلامیہ کی سرانجام دی ہے یہ ہے کہ انہوں نے مجرد غور وفکر کے رجحان کو روکا اور اس کی بجائے ہر مسئلے کی الگ تھلگ شکل اور انفرادی حیثیت پر زور دیا۔"[36]

جدید دور میں اجتہاد کی ضرورت

اجتہاد دینی تربیت کے اعتبار سے نئی سوچ اور پیش رفت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسلام جدید دور کے نظامِ تمدن کے طور پر عالمِ انسانیت کے لیے عافیت گاہ کا کام دیتا ہے۔ اس میں نئے آنے والے مسائل کے حل میں جدید سوچ اور تعمیر و تشکیل کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال اس ضرورت کو قرآنِ مجید اور سنتِ رسول سے حاصل کرنے کے آرزو مند ہیں۔ وہ صاحبزادہ آفتاب احمد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی اعتبار سے کاوش کو نئے راستوں کی طرف مہمیز کیا جائے، اور ایک نئی دینیات اور علم الکلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو بر سرِ کار لایا جائے۔"[37]

اسلامی قانون میں ارتقا اور ترکوں کا تجربہ

علامہ اقبال مسلمانوں میں بدلتی ہوئی سوچ اور تبدیلی کے حامی تھے۔ آپ نے خلافتِ عثمانیہ ترکی میں جدید سوچ کی طرف تبدیلی ہونے کا خیر مقدم کیا لیکن نہایت احتیاط کے ساتھ قرآن وحدیث کی طرف رغبت کا مشورہ دیا۔ تبدیلی کو تسلیم کیا، مگر سیکولر نظامِ حکومت پر تنقید کی۔ اقبال لکھتے ہیں:

"آج جو مسئلہ ترکوں کو در پیش ہے کل دوسرے بلادِ اسلامیہ کو پیش آنے والا ہے، اور اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشوونما اور ارتقا کی گنجائش ہے، لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا۔ ذاتی طور پر مجھے یقین ہے کہ اس کا جواب اثبات ہی میں دیا جا سکتا ہے۔"[38]

علامہ اقبال اسلامی تصورِ زندگی کے اعتبار سے اسلام کو جدید دور کا انسانی رویہ خیال کرتے ہیں جس کے بدلنے سے معیارِ فتاویٰ پر ہمہ گیر اثرات مرتب ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں میں احترامِ قانون کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اقبال فرماتے ہیں:

"اسلام اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ایک مذہب نہیں بلکہ یہ تو ایک رویہ ہے، ایسی آزادی کا رویہ جو کائنات کے ساتھ حریفانہ کشاکش کی ترغیب دیتا ہے، دراصل یہ دنیائے قدیم کے تمام تصورات کے خلاف ایک احتجاج ہے۔ مختصراً، اسلام انسان کا حقیقی انکشاف ہے۔"[39]

عصری تقاضے اور دعوتِ دین

انسانی تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ دعوتِ دین کے طریقہ کار میں جدت اور عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے۔ اسلام، جو تمام زمانوں اور انسانیت کے لیے مکمل نظامِ حیات ہے، جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر ہی ایک عملی اور مؤثر پیغام بن سکتا ہے۔ عصرِ حاضر میں سائنسی ترقی، جدید فکری رجحانات

---

[35] اقبال اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ڈاکٹر حسین محمد جعفری، کراچی پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، 2005، ص 123

[36] اقبال نامہ، حصہ اوّل، مرتب شیخ عطاء اللہ، شیخ محمد اشرف تاجرانِ کتب، 2003، ص 212

[37] برہانِ اقبال، پروفیسر محمد منور، اقبال اکیڈمی، ص 206

[38] اقبال مرتب ڈاکٹر وحید عشرت، لاہور، اقبال اکیڈمی، 2004، ص 307

[39] حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے، مرتب محمد حمزہ فاروقی، ادارہ تحقیقات، دانش گاہ پنجاب، 1998، ص 321

اور گلوبلائزیشن جیسے عناصر نے لوگوں کے طرزِ زندگی اور سوچنے کے انداز کو یکسر بدل دیا ہے۔ اس لیے دعوتِ دین کے لیے ضروری ہے کہ اسے سائنسی، منطقی اور عملی بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ یہ جدید ذہنوں کو اپیل کر سکے۔

اسلام اور اجتہاد کی ضرورت

اسلام میں اجتہاد کا تصور ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور یہی وہ اصول ہے جس کی بدولت اسلامی شریعت ہر دور میں انسانی زندگی کے مسائل کا حل پیش کرتی رہی ہے۔ علامہ اقبال بھی اجتہاد کو دین میں ترقی اور ارتقاء کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"چونکہ قرآن مجید ایک جاویدانی ارشاد ہے، لہٰذا وہ سراسر حرکت و عمل کا درس دیتا ہے۔ قرآن کے مطابق جو شریعت نبی کریم ﷺ نے تشکیل دی، وہ ہر دم حرکت پذیر ہے، روحِ تازہ کی حامل ہے اور تازہ بہ تازہ معانی کی خالق ہے۔ اس کے اصولِ حرکت کو جمود کا شکار نہیں ہونے دینا چاہیے۔"[40]

یہی وجہ ہے کہ اجتہاد کو مسلمانوں کے فکری زوال کے خاتمے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے سے اسلامی شریعت جامد ہو جائے گی، جبکہ دینِ اسلام کا جوہر عمل، حرکت اور ترقی پر مبنی ہے۔

دینِ اسلام کی عصری معنویت

اسلامی تعلیمات کو ہر دور میں نافذ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تعبیر و تشریح جدید ذہن کے مطابق کی جائے۔ علامہ اقبال کا ماننا تھا کہ اسلامی تہذیب کی بقا اور ارتقاء قرآن و حدیث کے اصولوں کو جدید سائنسی اور فکری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں مضمر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"فکرِ اقبال کی روشنی میں عمل ایک تہذیبی رویہ ہے جو زمانے پر اثر انداز ہوتا ہے اور عصرِ حاضر کے امکانات کو دوسرے تہذیبی رویوں کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ یہ فکر انسان کو زمانہ گری کی قوت عطا کرتی ہے۔"[41] یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کو محض ایک جامد نظریہ سمجھنے کے بجائے، اسے متحرک، فعال اور عملی دین کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔

جدید سائنسی ذہن اور دعوتِ دین

آج کا انسان سائنسی اور منطقی طرزِ فکر رکھتا ہے، اور وہ ہر نظریے کو عقلی اور عملی بنیادوں پر پرکھنا چاہتا ہے۔ اسلام، جو کہ فطرت سے ہم آہنگ دین ہے، جدید سائنسی نظریات کی روشنی میں بھی اپنا جواز رکھتا ہے۔ علامہ اقبال اس حوالے سے فرماتے ہیں:

"آج کی تحریکیں اس بات کی متقاضی ہیں کہ مسلمان از سرِ نو اسلام اور اس کے آئین پر غور کریں۔ اسلام کو اپنی بقاء کے لیے انقلابی تفکر کی ضرورت درپیش ہے تاکہ اس کے اصول حیات انسانی زندگی میں عملی تبدیلی لا سکیں۔"[42] یہی وجہ ہے کہ اسلام کی دعوت کو سائنسی اسلوب میں پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

جدیدیت اور قدامت میں توازن

علامہ اقبال جدید اور قدیم کی کشمکش میں ایک متوازن نقطہ نظر اپنانے کی تاکید کرتے ہیں۔ ان کے مطابق، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی روایات اور جدید دنیا کے تقاضوں کے درمیان ایک ایسا راستہ اپنائیں جو دین کی اصل روح کو برقرار رکھتے ہوئے جدید دنیا میں قابلِ قبول ہو۔ وہ فرماتے ہیں: اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ عالمِ اسلام میں قدامت پسند جذبات اور لبرل خیالات میں جنگ جاری ہے۔ اس کشمکش میں ضروری ہے کہ نہ تو اسلام کی حقیقی روایات کو نظرانداز کیا جائے اور نہ ہی جدیدیت کو بے جا مسترد کیا جائے۔"[43] یہی وہ متوازن سوچ ہے جو اسلامی تعلیمات کو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق قابلِ عمل بنانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

---

[40] اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، بزمِ اقبال، 2001، ص 255

[41] بیدر ملک، اقبال شناسی اور کریسنٹ، بزمِ اقبال، 1988، ص 29

[42] محمد سہیل عمر، خطباتِ اقبال نئے تناظر میں، اقبال اکیڈمی، 2002، ص 193

[43] جاوید اقبال، افکارِ اقبال، اقبال اکیڈمی، 1994، ص 29

اجتہاد کی ضرورت واہمیت

علامہ اقبال کے نزدیک اجتہاد، اسلامی تعلیمات کے عملی نفاذ کا بنیادی اصول ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "آج جو مسئلہ ترکوں کو درپیش ہے کل دوسرے بلادِ اسلامیہ کو پیش آنے والا ہے، اور اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشو و نما اور ارتقاء کی گنجائش ہے؟ لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا۔" یہی وہ اجتہادی طرزِ فکر ہے جو مسلمانوں کو جدید دور میں درپیش چیلنجز کا حل مہیا کر سکتا ہے۔[44]

عصرِ حاضر میں دعوتِ دین کی مؤثر انداز میں تبلیغ کے لیے ضروری ہے کہ اسے عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ اسلام ایک زندہ اور متحرک دین ہے جو ہر دور کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی تعلیمات کو سائنسی، منطقی اور عملی بنیادوں پر جدید دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ علامہ اقبال کی فکر میں اجتہاد کی جو اہمیت ہے، وہ آج بھی امتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اجتہاد کے ذریعے اسلامی قانون کی عملی تعبیر ممکن ہے اور یہی راستہ عالمِ اسلام کے اتحاد، ترقی اور بقاء کا ضامن ہے۔

مصادر و مراجع

1. اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989
2. ابن ندیم، الفہرست، دار المعارف، 1985
3. [1]مالک بن انس، الموطأ، دار القلم، 1992
4. [1]شافعی، الرسالۃ، دار المعارف، 1979
5. [1]ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، دار الفکر، 2005
6. [1]اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اقبال اکیڈمی، 1989
7. [1]حسن، برصغیر میں اسلامی قانون، دار الاشاعت، 2005
8. [1]الضیاء، فقہ اسلامی کا ارتقاء، دار الفکر، 1995
9. [1]جلال، پاکستان میں اسلامی قانون، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2008
10. [1]القطب، اسلامی قانون کی تشکیل نو، دار الہدی، 2010
11. [1]ندوی، اسلام اور قانون، المکتبہ الاسلامیہ، 2005
12. [1]فاروقی، اسلامی اجتہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ، دار الکتاب العربی، 2012
13. [1]ندوی، اسلام اور اجتہاد، المکتبہ الاسلامیہ، 2005
14. [1](فاروقی، اسلامی قانون اور جدید دنیا، دار الکتاب العربی، 2012
15. [1]احمد، اسلامی فکر میں اجتہاد، دار الاشاعت، 2010
16. [1]اقبال، خطبات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1930
17. [1]مجید، "پاکستان کا آئینی ارتقاء"، مکتبہ علمی، 2015
18. [1]رشید، "اسلامی قانون اور پاکستان"، دار الکتب، 2018
19. [1]اقبال، مقالاتِ اقبال، مجلس ترقیِ ادب، 1955
20. [1]فکر اسلامی کی تشکیل نو پروفیسر محمد عثمان، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز 2003,
21. [11]اقبال اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ڈاکٹر حسین محمد جعفری، کراچی پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، 2005

---

[44] محمد ریاض، برکاتِ اقبال، مقبول اکیڈمی، 1990، ص 153

22. [1]اقبال نامہ، حصہ اوّل، مرتب شیخ عطاءاللہ، شیخ محمد اشرف تاجرانِ کتب، 2003
23. [1]برہانِ اقبال، پروفیسر محمد منور، اقبال اکیڈمی، 2011
24. [1]اقبال مرتب ڈاکٹر وحید عشرت، لاہور، اقبال اکیڈمی، 2004
25. [1]حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے، مرتب محمد حمزہ فاروقی، ادارہ تحقیقات، دانش گاہ پنجاب، 1998
26. [1]بیدر ملک، اقبال شناسی اور کریسنٹ، بزمِ اقبال، 1988
27. [1]محمد سہیل عمر، خطباتِ اقبال نئے تناظر میں، اقبال اکیڈمی، 2002
28. [1]جاوید اقبال، افکارِ اقبال، اقبال اکیڈمی، 1994
29. [1]محمد ریاض، برکاتِ اقبال، مقبول اکیڈمی، 1990

Bibliography

1. Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Iqbal Academy, 1989.
2. Ibn Nadim, Al-Fihrist, Dar al-Ma'arif, 1985.
3. Malik bin Anas, Al-Muwatta', Dar al-Qalam, 1992.
4. Shafi'i, Al-Risalah, Dar al-Ma'arif, 1979.
5. Ibn Taymiyyah, Majmu' al-Fatawa, Dar al-Fikr, 2005.
6. Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Iqbal Academy, 1989.
7. Hassan, Islamic Law in the Subcontinent, Dar al-Isha'at, 2005.
8. Al-Diya, The Evolution of Islamic Jurisprudence, Dar al-Fikr, 1995.
9. Jalal, Islamic Law in Pakistan, Oxford University Press, 2008.
10. Al-Qutb, Reconstruction of Islamic Law, Dar al-Huda, 2010.
11. Nadwi, Islam and Law, Al-Maktabah al-Islamiyyah, 2005.
12. Farooqi, Islamic Ijtihad: An Analytical Study, Dar al-Kitab al-Arabi, 2012.
13. Nadwi, Islam and Ijtihad, Al-Maktabah al-Islamiyyah, 2005.
14. Farooqi, Islamic Law and the Modern World, Dar al-Kitab al-Arabi, 2012.
15. Ahmad, Ijtihad in Islamic Thought, Dar al-Isha'at, 2010.
16. Iqbal, Lectures (Khutbat-e-Iqbal), Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1930.
17. Majeed, "The Constitutional Evolution of Pakistan", Maktabah Ilmi, 2015.
18. Rasheed, "Islamic Law and Pakistan", Dar al-Kutub, 2018.
19. Iqbal, Maqalat-e-Iqbal, Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1955.
20. Professor Muhammad Usman, The Formation of Islamic Thought, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2003.
21. Dr. Hussain Muhammad Jafri, Iqbal and the Reconstruction of Islamic Thought, Pakistan Study Center, University of Karachi, 2005.
22. Iqbal Nama (Part One), Compiled by Sheikh Ataullah, Sheikh Muhammad Ashraf Tajiran-e-Kutub, 2003.
23. Professor Muhammad Munawwar, Burhan-e-Iqbal, Iqbal Academy, 2011.
24. Dr. Waheed Ishrat, Iqbal, Lahore, Iqbal Academy, 2004.
25. Muhammad Hamza Farooqi, Some Hidden Aspects of Iqbal's Life, Institute of Research, Punjab University, 1998.
26. Baider Malik, Iqbal Studies and Crescent, Bazm-e-Iqbal, 1988.
27. Muhammad Sohail Umar, Iqbal’s Lectures in a New Perspective, Iqbal Academy, 2002.
28. Javed Iqbal, Thoughts of Iqbal, Iqbal Academy, 1994.

Muhammad Riaz, Blessings of Iqbal, Maqbool Academy, 1990. **.29**